39

ایک پیش خبری کا پورا ہونا

(فرمودہ ۱۳ نومبر ۱۹۲۵ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کام دنیا میں آکے کئے۔ ان کا ذکر کرتے ہوئے ایک کام یہ بھی بیان کیا تھا کہ انبیاء کی آمد کے بغیر کامل یقین اور ایمان صفات الٰہیہ پر حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ انبیاء اللہ تعالیٰ کا نشان اور اس کی آیت ہوتے ہیں۔ جن کے ذریعے خدا تعالیٰ کی ذات پر اور خدا تعالیٰ کی صفات پر ایمان پختہ ہوتا ہے۔ آج میں اسی سلسلہ میں ایک تازہ واقعہ بطور مثال بیان کرتا ہوں۔

یہ واقعہ وہ واقعہ ہے جس نے ان دنوں میں خطرناک اور خوفناک تباہی پیدا کر دی اور ہر شخص کو جس کے سینے میں دل اور دل میں درد ہے حیران کر رکھا ہے۔ اور جس نے ہر ایک شخص کے دل کو درد اور دکھ سے بھر دیا ہے۔ وہ واقعہ دمشق کی تباہی ہے جو شام کے ملک کا دارالسلطنت ہے۔

دمشق ان پرانے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ جسے تاریخ کی تبدیلیاں اور مرور زمانہ کا اثر مٹا نہ سکے اور چند ہی شہر دنیا کے ایسے ہیں جو کہ اسی طرح اسی نام پر کہ جو پہلے دن ان کا رکھا گیا اور اسی حالت پر جو کہ ابتداء میں ان کی تھی اور اسی مقام پر کہ جس پر شروع میں وہ قائم کئے گئے۔ بدستور چلے آتے ہوں۔ جس طرح کہ دمشق چلا آتا ہے۔ اڑھائی ہزار سال کی تاریخ تو اس کی یقینی ہے اور اس سے پہلے کہ کب سے یہ آباد چلا آتا ہے۔ صحیح اندازہ نہیں۔ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں بھی یہ شہر موجود تھا اور بڑا بارونق تھا۔ پھر اس شہر کے بادشاہوں اور ان کے کارناموں کا ذکر داؤد علیہ السلام کے حالات میں بھی آتا ہے۔ پھر رسول کریم ﷺ کے بعد بھی اس شہر نے پورا پورا عروج پایا۔ بلکہ مجھے یہ کہنا چاہئے کہ رسول کریم ﷺ سے پہلے بھی اس کو پوری پوری تاریخی اہمیت حاصل

تھی۔

پولوس جس پر عیسائی مذہب کا دارومدار ہے۔ وہ اسی شہر کا تھا۔ انجیل سے پتہ چلتا ہے کہ دمشق کے متعلق مسیحؑ کے شاگرد حشیاہ کو رؤیا میں خبردی گئی تھی کہ دمشق میں جاکر ساؤل کو عیسائی بنا۔ اے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ یہی ساؤل بعد میں پولوس ہو گیا اور اس نے تبلیغ کا کام اسی شہر سے شروع کیا۔ اور عیسویت کا چرچا یہاں پھیلایا۔ غرض موسوی زمانہ کے بعد عیسوی زمانہ میں بھی اس شہر کو خاص عظمت حاصل ہو گئی۔ پولوس نے دمشق میں اس کام کے لئے کھڑا ہو کر اس کی شان وشوکت کو بڑھا دیا اور اس کی تاریخی عظمت اور بھی زیادہ کر دی۔ پولوس کے زمانہ میں عیسائیت بہت کچھ ترقی پر پہنچ گئی تھی۔

پھر رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں دمشق سب سے اہم گورنری تھی۔ رسول کریم ﷺ کے زمانہ سے میری مراد وہ زمانہ ہے۔ جو آپ کی بعثت سے شروع ہوا۔ تو زمانہ خلافت میں جب کہ اس کے ساتھ ساتھ اسلامی حکومت بھی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس جگہ مستقل گورنری قائم کی اور امیر معاویہؓ کے بھائی کو سب سے پہلے یہاں کا گورنر بنا کے بھیجا۔ پھر ان کے بعد خود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اور اس وقت سے لیکر امیر معاویہؓ کی وفات تک یہ شہر اس صوبہ کا اور پھر سارے عالم اسلامی کا دارالخلافہ رہا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے درمیان جب جنگ چھڑی اور جب امام حسین رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کرلیں۔ اور خلافت کے حقوق سے دست بردار ہو جائیں تو اس وقت بجائے مدینہ منورہ کے دمشق تمام عالم اسلامی کا دارالخلافہ بن گیا اور ایک عرصہ تک مستقل طور پر تمام عالم اسلامی کے لئے بطور دارالخلافہ رہا اور اس عرصہ میں مسلمانوں نے بہت سی فتوحات بھی حاصل کیں۔ ان دنوں میں مسلمان جو جو بھی علاقے فتح کرتے - وہ اسی دارالخلافہ کے ماتحت ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ بنو عباس نے بھی جب سپین وغیرہ کے علاقے فتح کئے۔ جو اپنی شان میں بغداد سے بھی بڑھ جاتے تھے تو وہ بھی اسی کے ماتحت تھے۔

بغداد کو بغداد شریف کہتے ہیں اور بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اسے بغداد شریف اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمتہ ہوئے ہیں۔ مگر اسے بغداد شریف کہنے کی یہ وجہ نہیں۔ اسے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی وجہ سے بغداد شریف نہیں کہتے۔ بلکہ دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے کہتے ہیں کیونکہ بغداد عالم اسلامی کے لئے ایک وقت تک دارالخلافہ رہا۔

پس بغداد اگر اس وجہ سے بغداد شریف کہلا سکتا ہے۔ تو دمشق بھی دمشق شریف کہلا سکتا ہے۔ کیونکہ بغداد کی طرح یہ بھی عالم اسلامی کا دارالخلافہ رہا ہے بلکہ بغداد سے بڑھ کر رہا ہے۔ کیونکہ اس کے ماتحت سارا عالم اسلامی رہ چکا ہے۔ تمام مفتوحہ علاقے اس کے ماتحت تھے۔ خواہ وہ علاقے سپین کے ہوں خواہ افریقہ کے۔ خواہ وہ ایران کے علاقے ہوں خواہ روس کے۔ خواہ وہ چینی علاقے ہوں۔ خواہ افغانستان کے۔ خواہ وہ بلوچستان کے علاقے ہوں - خواہ ہندوستان کے۔ وہ سارے کے سارے دمشق کے ماتحت تھے اور دمشق کو یہ ایک ایسی خصوصیت حاصل ہے کہ جو کسی اور کو حاصل نہیں۔

آنحضرت ﷺ کی پیش گوئیوں میں بھی دمشق کا ذکر آیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارے میں جو پیشگوئیاں آئی ہیں۔ ان میں خصوصیت سے اس شہر کا نام لیا گیا ہے۔ یہ ذکر بلا وجہ نہیں تھا بلکہ اس کی ایک وجہ تھی اور وہ یہی کہ اس زمانہ میں دمشق میں ایک فساد واقع ہو گا جس سے خطرناک تباہی پیدا ہوگی اور اس تباہی اور بربادی کے بعد پھر ایک ترقی ہوگی جو احمدیت کے ذریعے ہوگی اور جس طرح پہلے مسیحؑ کے زمانہ میں تنزل کے بعد اس نے ترقی پائی۔ اسی طرح دوسرے مسیح کے زمانہ میں بھی یہ ترقی پائے گا اور بربادی کے بعد اسے آبادی حاصل ہوگی اور چونکہ وہ آبادی اور ترقی دوسرے مسیحؑ کے ذریعے ہونی تھی۔ اس لئے اس کا ذکر کیا گیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں سے ایک الہام یہ بھی ہے۔ **یدعون لک ابدال الشام** ۲؎ کہ شام کے ابدال تیرے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ یہ الہام بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مسیح موعودؑ کے ذریعے ملک شام کی تباہی کے بعد ایک ایسی ترقی اور آبادی ہوگی جو پہلے سے زیادہ بڑھ چڑھ کر ہوگی اور جسے دیکھ کر ہر کس و ناکس کے منہ سے بالعموم اور خواص و ابدال کے منہ سے بالخصوص اس کے لئے اس کے کاموں کے لئے اس کے احسانوں کے لئے دعائیں نکلیں گی۔

پس دمشق نے جس طرح موسوی خلفاء کے زمانہ میں ترقی پائی۔ جس طرح عیسوی خلفاء کے زمانہ میں ترقی حاصل کی اور تاریخی کاموں میں حصہ لیا ہے۔ اسی طرح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں بھی وہ ترقی پائے گا۔ اور تاریخی کاموں میں بھی حصہ لینے والا ہے۔ اس وقت اس کا تاریخی کاموں میں حصہ لینا اور ترقی پانا یہی ہے کہ اس پر ایک خطرناک تباہی آئے اور یہ تنزل پا جائے اور اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ پھر ترقی پائے اور عروج پر پہنچے۔ آج سے پہلے شائد یہ بات لوگوں کی سمجھ میں نہ آتی لیکن اب جب کہ اس پر تباہی آئی اور یہ گر کر تنزل میں پڑ گیا تو یہ بات بخوبی معلوم ہو سکتی ہے کہ یہ اب ترقی کرے گا۔ چنانچہ اس کے آثار

اب پیدا ہونے شروع ہو گئے ہیں۔

چونکہ یہ شہر بہت ہی پرانا شہر ہے اور قدیم سے ہی اس کے ساتھ قوموں کے تعلقات رہے ہیں اور خاص کر موسویت۔ عیسویت اور محمدیت کے اس سے تعلق رہے ہیں۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ ان اقوام اور ان مذاہب کے بعض مقامات مقدسہ بھی یہاں ہوں۔ چنانچہ ان تینوں قوموں کے آثار یہاں پائے جاتے ہیں اور ان کے متبرک مقامات اس جگہ موجود ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو پرانے مذہبی واقعات کے ساتھ وابستگی ہے۔

آج تک باوجود بڑے بڑے انقلابات کے اور باوجود ایک لمبا عرصہ گزرنے کے یہ یادگاریں بدستور قائم تھیں اور اس شہر کو جسے تین ہزار سال کے عرصہ میں وحشی سے وحشی لوگ اور جابر سے جابر بادشاہ بھی تباہ نہ کر سکے۔ جس پر بڑے بڑے انقلاب آئے۔ مگر اس کی یادگاریں بدستور قائم رہیں۔ امتداد زمانہ نے بھی اثر نہ کیا اور اس کے آثار محفوظ رہے۔ اسے حال میں فرانسیسیوں نے تباہ کر دیا ہے۔ فرانسیسی تو اس کا ظاہر ذریعہ بن گئے۔ درحقیقت اس کے لئے مقدر ہو چکا تھا کہ وہ اس وقت تباہ ہو اور ایسے خطرناک طریقے پر تباہ ہو کہ جس کی مثال اس کی ساری عمر میں نہ پائی جائے۔ اگر یہ بات پہلے ہی مقدر نہ ہو چکی ہوتی تو فرانسیسیوں کی کیا طاقت تھی کہ اس میں ایسی خطرناک بربادی پیدا کر دیتے اور پھر اگر ان قوموں اور ان بادشاہوں کو دیکھا جائے جو فرانس سے کہیں بڑھ چڑھ کر طاقت ور اور جابر تھے۔ وہ بھی اسے تباہ نہ کر سکے۔ تو یہ بات اور بھی مضبوط ہو جاتی ہے۔ پس فرانسیسی ظاہراً اس کی بربادی کی وجہ ہو گئے۔ ورنہ یہ تو قضاء و قدر میں فیصلہ ہو چکا تھا کہ یہ شہر اس وقت تباہ ہو۔

اس شہر کی تاریخی اہمیت بالکل ظاہر ہے اور ایسے شہر کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک الہام "بلاء دمشق" ۳ے۔ آج سے ایک مدت پہلے ہو چکا ہے۔ جو ظاہر کرتا ہے کہ دمشق پر آفت اور مصیبت آنے والی ہے۔ پچیس سال کے بعد اب ایسا واقعہ ہوا ہے کہ لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ تین ہزار سالوں میں اس پر ایسی تباہی نہیں آئی۔ جیسی کہ اس وقت آئی ہے۔ حالانکہ اس پر بڑے بڑے انقلاب آئے اور بڑے بڑے جابر اور ظالم حکمرانوں کے ماتحت رہا۔

انگریزی اخباروں نے بھی اس پر شور مچایا کہ وہ شہر جس میں بڑے بڑے آثار اور مقامات مقدسہ تھے۔ آج مٹی کا ڈھیر بنا ہوا ہے۔ اس کی عظیم الشان عمارتیں گر گئی ہیں۔ اس کے محلے کے محلے ویران ہو گئے ہیں۔ مسجدیں، گرجے اور معبد نیست و نابود ہو گئے ہیں اور وہ یادگاریں جو ہزاروں

سالوں سے محفوظ چلی آتی تھیں۔ ویران ہو گئی ہیں۔ وہ شہر جو سالہا سال سے ہے۔ صدیوں سے ان آثار و مقامات کے لئے مشہور چلا آتا تھا اور جسے نہ دست انقلابات۔ نہ مرور زمانہ۔ نہ کسی ظالم و جابر بادشاہ کا ظلم تباہ کر سکا۔ آج فرانسیسیوں کی مسلسل گولہ باری سے خاک میں مل گیا۔ نہ وہ رہا نہ اس کے وہ مقامات جو مقدس سمجھے جاتے تھے رہے۔

یہ کتنی بھاری مصیبت ہے جو اس شہر پر آئی اس سے بڑھ کر کوئی آفت کسی شہر پر نازل نہیں ہو سکتی اور اس سے بڑھ کر کوئی تباہی نہیں آسکتی کہ ایک ایسا شہر جو نہایت ہی قدیمی ہو۔ جس میں دنیا کی تین مشہور قوموں کی مذہبی یادگاریں ہوں۔ جس کی طرف دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہو۔ وہ اس طرح ویران و برباد کر دیا جائے۔ جس کا کسی کو وہم و خیال بھی نہ ہو سکتا تھا۔ کوئی ہے جو اس پر غور کرے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ اس شہر کے متعلق جو خبر بتائی۔ وہ اس صفائی کے ساتھ پوری ہوئی۔ کوئی نہیں جو اس کا انکار کر سکے کہ یہ خدا ہی کی بتائی ہوئی بات تھی۔ بشرطیکہ وہ سلیم طبع ہو۔ اور شرارت پر آمادہ نہ ہو۔ کیا اس ایک واقعہ سے ہی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بولتا تھا اور پھر یہ کہ وہ قادر ہے اور ہر ایک شے پر قدرت رکھتا ہے۔

یہ عظیم الشان نشان جو ظاہر ہوا ہے اور جس سے ایمان پہاڑوں کی طرح مضبوط ہو جاتا ہے اور چٹانوں کی طرح راسخ ہو جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت بڑے زور سے ثابت کر رہا ہے۔ خدا نے ہی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آج سے کئی سال پہلے خبر دی کہ دمشق پر ایک بلا نازل ہونے والی ہے۔ اور خدا نے ہی اسے آج پورا کر دکھایا اور ایسے کھلے کھلے رنگ میں پورا کیا کہ کوئی عقلمند اور سلیم الطبع شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ کیا مولویوں سے ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ بھی اس قسم کے نشان دکھاتے یا کسی عظیم الشان واقعہ کی پہلے خبر دے سکتے۔ جو پھر پوری ہو جاتی۔ ہرگز نہیں۔ مولوی تو اس قابل ہی نہ رہے تھے کہ خدا تعالیٰ اس طرح انہیں اپنے مصفّیٰ غیب سے آگاہ کرتا۔ وہ تو خود طرح طرح کے گندوں میں پھنسے ہوئے تھے۔ یہ اسی کا کام تھا۔ جسے خدا نے لوگوں کو پاک کرنے کے لئے خود مامور فرمایا کہ وہ خدا سے خبر پا کر پیش آنے والے واقعہ کی خبر پہلے سے دے دیتا۔ کیا اس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت ظاہر نہیں ہوتی؟ اور کیا اس سے ایمان مضبوط اور دلوں میں پہاڑ کی طرح جاگزیں نہیں ہو جاتا؟

آج مسلمان۔ عیسائی اور یہودی رو رہے ہیں کہ سب کے مقامات مقدسہ برباد ہو گئے ہیں

کیونکہ ان سب کے مقامات مقدسہ اس شہر میں واقع ہیں اور ان کی تباہی پر ان کا رونا ایک قدرتی بات ہے جب وہ شہر ہی تباہ ہو گیا جس میں یہ سب کچھ تھا تو وہ مقامات کیسے بچ سکتے تھے۔ فی الحقیقت دمشق پر جو تباہی آئی وہ نہایت خطرناک ہے۔ اس تباہی کے ظاہر اسباب یہ ہوئے کہ دروز کی جو لبنان کے پہاڑوں میں رہنے والی ایک قوم ہے۔ عیسائیوں کی ایک قوم سے پرانی دشمنی ہے۔ فرانسیسی اس ملک کے بادشاہ نہیں لیکن بعض انتظامات کے ماتحت اس ملک کی انتظامی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے جب دروزیوں اور عیسائیوں کے درمیان لڑائی دیکھی۔ تو عیسائیوں کی طرفداری کی اور دروزیوں کو نقصان پہنچانا چاہا۔ فرانسیسی حکام کی اس روش کو دیکھ کر دروزیوں کے قبیلوں کا ایک سردار جو دروزی قبائل میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ فرانسیسی اعلیٰ افسر کے پاس اس لئے گیا تا اس بات کی شکایت کرے کہ فرانسیسی افسر خواہ نخواہ عیسائیوں کی حمایت کرتے ہیں۔ حالانکہ ملک ہمارا ہے مگر وہ عیسائیوں کی مدد کرتے اور ہمیں نقصان پہنچاتے ہیں۔ ان کو چاہئے تھا کہ وہ ہماری مدد کرتے کیونکہ ملک ہمارا ہے نہ ان کا لیکن وہ ایسا نہیں کرتے اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تھے تو انہیں چاہئے تھا کہ خاموش رہتے یا ہمیں جو شکائتیں عیسائی قوم سے ہیں۔ ان کو دور کرنے کی کوشش کرتے۔ مگر وہ بجائے اس کے الٹا عیسائیوں کی مدد کرتے ہیں لیکن فرانسیسی افسر نے اس سردار سے ملنے سے انکار کر دیا۔

کہتے ہیں فرانسیسی افسر کا انکار سن کر جب دروزیوں کا سردار کمرے سے باہر نکلا۔ تو یہ کہتے ہوئے باہر نکلا کہ تم ہمارے منہ سے باتوں کو نہیں سنتے تو توپوں کے گولوں سے سنو گے اور واپس آکر اس نے عام اعلان کر دیا کہ اپنے آپ کو بچانے اور فرانسیسیوں سے آزادی پانے کے لئے ہتھیار اٹھا لو۔ فرانسیسی افسر کے انکار اور دروزی سردار کے اس اعلان نے ملک میں آگ لگا دی اور اخباروں میں بیان کیا گیا ہے کہ اس شورش میں بارہ ہزار عیسائی مارے گئے۔

دروزی لبنان کے پہاڑوں کی ایک پہاڑی قوم ہے۔ وہ چونکہ مسلمان کہلاتے ہیں۔ اس لئے عیسائی ان کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں اس سبب سے وہاں عیسائیوں اور ان کے درمیان دشمنی ہے اور دروزیوں کی بہت سی باتیں مسلمانوں کی سی ہیں لیکن ان کے بعض عقائد ایسے ہیں جو اسلام کے خلاف ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کسی وقت وہ اسلام لائے مگر بعد ازاں ان کی خبر گیری نہیں کی گئی اور ملکانوں کی طرح ان کی حالت رہی جس طرح ملکانے کسمپرسی کی حالت میں رہ کر اسلام سے دور جا پڑے۔ اسی طرح دروزیوں کا بھی حال ہوا۔ دروزی قرآن کریم کو مانتے ہیں لیکن اس کے سوا اپنی

خاص کتاب پر بھی عمل کرتے ہیں۔ جس میں اور ہی قسم کا احکام ہیں۔

دروزیوں نے دیکھا کہ اسلام کے ساتھ نام کا تعلق رکھنے کی وجہ سے جب ہمیں دکھ دیا جاتا ہے۔ تو کیوں نہ ہم اسلام کے ساتھ پورا تعلق پیدا کریں اور مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کرلیں۔ اس پر دروزیوں نے یہ وعدہ کرتے ہوئے کہ ہم آئندہ اپنی حالت سنواریں گے اور پورے طور پر اسلام کے حکموں کو مانیں گے۔ عام مسلمانوں کو بلایا کہ عیسائیوں کے مقابلہ میں ہماری مدد کرو اور دشمنوں سے جنگ جاری رکھنے کے لئے ہر قسم کی مدد دو۔ دروزیوں کے سردار کی طرف سے اس آواز کا اٹھنا تھا۔ کہ شام کے ملک میں چاروں طرف اک شور برپا ہو گیا اور لوگ ان کی مدد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس سے دمشق میں بھی شورش پیدا ہو گئی اور فرانسیسیوں کے برخلاف اس علاقے کے تمام باشندوں میں ایک ہلچل مچ گئی۔ جب ان میں سے بعض لوگوں نے دیکھا کہ وہ فرانسیسیوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے تو انہوں نے ڈاکوؤں کی طرح جتھے بنائے اور جہاں ان کو موقع ملتا۔ لوٹ مار کرنے لگے۔ اس پر فرانسیسیوں نے متعدد ایسے گاؤں جلا دیئے۔ جن کے متعلق انہیں یہ خیال گزرا کہ وہ ڈاکوؤں کو پناہ دیتے ہیں۔

بعض دفعہ سزا الٹا اثر پیدا کرتی ہے اور بجائے نرمی پیدا کرنے کے اشتعال دلا دیتی ہے۔ فرانسیسیوں نے جب کچھ گاؤں جلا دیئے تو ان گاؤں کے لوگوں کو اس پر جوش پیدا ہوا اور بجائے اس کے کہ وہ خائف ہو کر دروزیوں سے علیحدہ ہو جاتے۔ دروزیوں کے ساتھ مل گئے اور دروز اور وہ دمشق میں داخل ہو گئے۔

انہیں روکنے کے لئے پہلے پولیس سامنے آئی لیکن وہ مقابلہ نہ کرسکی اور اپنی جان بچا کر بھاگ گئی بلکہ ہتھیار تک پھینک گئی۔ پھر فوج آئی لیکن فوج بھی مقابلہ نہ کرسکی۔ دروزی بعض دفعہ شہر کے گلی کوچوں میں گھس کر فرانسیسیوں پر گولیاں برساتے ۔ جن کا جواب فرانسیسی نہ دے سکتے اور پھر جب فرانسیسی بھی ان گلی کوچوں میں گھسنے کی کوشش کرتے تو ان پر مکانوں کی چھتوں سے اینٹ اور پتھر پڑتے۔ ان حالات میں یہی کہنا چاہئے کہ فرانسیسیوں کی عقل ماری گئی اور ان کی آنکھوں پر پٹی بندھ گئی جو انہوں نے دمشق کے باشندوں سے کہا کہ لڑنے والوں کو گھروں اور کوچوں اور بازاروں سے نکال دو۔ نہیں تو ہم گولہ باری کردیں گے۔ وہ دروزی جو پولیس سے نہ رک سکے اور مسلح فوج جن سے عہدہ برآنہ ہو سکی۔ انہیں شہر کے نہتے لوگ کس طرح نکال سکتے تھے۔

جب شہر والے ان کو باہر نہ نکال سکے۔ تو فرانسیسیوں نے ستاون گھنٹے بلکہ بعض خبروں کی بناء

پر اس سے بھی زیادہ عرصہ تک شہر پر گولہ باری کی۔ اس گولہ باری کے متعلق جو دوسری رپورٹیں ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ لگا تار جاری رہی اور فرانسیسی اس اثناء میں ٹھہرے نہیں۔ لیکن فرانس کی رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ گولہ باری مسلسل نہیں ہوئی۔ بلکہ درمیان میں وقفہ ملتا تھا اور ہمارے مبلغین وہاں ہیں۔ ان کے خطوط سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ گولہ باری کے درمیان وقفہ ملتا تھا۔ گو وہ بہت ہی قلیل ہوتا تھا۔

اس گولہ باری کا نتیجہ کیا نکلا؟ دمشق جو کہ بڑا بارونق شہر تھا اور جس میں ماسوا مقامات مقدسہ کے بڑی بڑی پرانی اور تاریخی عظیم الشان عمارتیں تھیں۔ بالکل ویران ہو گیا۔ وہ بازار جو بڑے بارونق اور مشہور تھے بالکل تباہ ہوگئے اور اب ان کو کوئی پہچانتا بھی نہیں۔ ہر جگہ مکانوں کی اینٹیں اور لکڑیاں پڑی ہیں۔ ملبہ اور مٹی کے ڈھیر جا بجا نظر آتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ بازار بھی کہ جسے عیسائی مقدس سمجھتے تھے بالکل برباد ہوگیا اور اس میں اس شدید گولہ باری سے غار پڑ گئے ہیں۔

اس تباہی کے ساتھ لوگوں کی جانوں پر بھی تباہی آئی۔ جو نقصان اس گولہ باری سے ہوا۔ اس کا صحیح اندازہ بھی نہیں ہو سکتا۔ تاہم اس کے متعلق مختلف رپورٹیں ہیں۔ بعض رپورٹیں یہ کہتی ہیں کہ پچیس ہزار آدمی اس سے مارے گئے۔ فرانسیسی رپورٹیں کہتی ہیں۔ صرف دو ہزار آدمی مارے گئے۔ بعض دوسری رپورٹوں سے ظاہر ہے کہ پانچ چھ ہزار مارے گئے۔ یہ مختلف رپورٹیں ہیں۔ ممکن ہے بعض میں افراط سے کام لیا گیا ہو اور بعض میں تفریط سے۔ اس لئے یہ قیاس ہے کہ سات آٹھ ہزار جانوں کا ضرور نقصان ہوا ہے۔ یہ تو ہے جانوں کا نقصان اور مال کے لحاظ سے تو کئی کروڑ کا نقصان ہوا۔

جانوں اور مالوں کے نقصانات کے ساتھ ساتھ ایک اور نقصان بھی ہے۔ جو ایک عرصہ تک لوگوں کو تکلیف میں ڈالے رکھے گا۔ وہ نقصان ان زندہ لوگوں کا حال ہے جو حال سے بے حال ہوگئے۔ جن کے گھر تباہ ہوگئے۔ جن کے مال برباد ہوگئے۔ جن کے لئے سر چھپانے کی کوئی جگہ نہ رہی۔ اور اس ہولناک تباہی کے بعد ایک نہیں دو نہیں سینکڑوں ہزاروں اشخاص ایسے ہوں گے جو زندہ تو رہے مگر بالکل تباہ حال۔ جو اس آفت سے بچ تو رہے مگر بالکل بے خانماں برباد۔ ان میں سے ہزاروں ایسے ہوں گے جو تن کے لئے کپڑا بھی بہم نہ پہنچا سکیں گے۔ ان میں سینکڑوں ایسے ہوں گے۔ جو ویران شدہ اشیاء کو درست بھی نہ کر سکیں گے ان میں ہزاروں ایسے ہوں گے جو مسمار شدہ گھر نہ بنا سکیں گے۔ اور ایشیائیوں کی مظلومیت کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان خانماں

بربادوں کی کوئی خبر لینے والا بھی نہ ہوگا۔ پس غور کرو کہ کس صفائی سے "بلاء دمشق" کا الہام جو آج سے کئی سال پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو ہوا۔ پورا ہوا ہے۔

تین ہزار سال میں ایسی تباہی اس شہر پر نہیں آئی جو اب آئی ہے۔ اور ہم اس کو پیش کر کے ان لوگوں سے جو کہتے ہیں ہم مرزا صاحب کو خادم اسلام تو مانتے ہیں مگر مامور من اللہ نہیں مانتے پوچھتے ہیں۔ کیا آپ کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی یا نہ جو "بلاء دمشق" کے الفاظ میں آپ نے آج سے بہت سال پہلے کی تھی کہ دمشق پر ایک آفت آنے والی ہے؟ کیا وہ لوگ جو دیانتداری کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس پیشگوئی کو دیکھ کر اقرار کریں گے کہ ایسی عظیم الشان خبر دینا کسی مولوی کا کام نہ تھا بلکہ یہ کام کسی مامور کا تھا اور حضرت مرزا صاحب خدا تعالیٰ کی طرف سے اس زمانہ کے لئے مامور تھے۔ اگر وہ لوگ اس بات کا اقرار نہیں کریں گے کہ حضرت مرزا صاحب خدا کے مامور تھے اور خدا تعالیٰ ان سے ہمکلام ہوتا تھا اور ہر رنگ میں ان کی مدد کرتا تھا تو مجھے یہ کہنا پڑے گا کہ وہ سنجیدگی اور شرافت کے ساتھ اس معاملہ میں غور نہیں کرتے بلکہ اس معاملہ کو کسی اور آنکھ سے دیکھتے ہیں۔

اس کے بعد میں اس اظہار سے بھی نہیں رک سکتا کہ دمشق میں ان لوگوں پر جو پہلے ہی بے کس اور بے بس تھے۔ یہ بھاری ظلم کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کی بے بسی اور بیکسی کا یہ حال ہے کہ باوجود اپنے ملک کے آپ مالک ہونے کے دوسروں کے محتاج بلکہ دست نگر ہیں۔ میرے نزدیک شامیوں کا حق ہے کہ وہ آزادی حاصل کریں۔ ملک ان کا ہے۔ حکمران بھی وہی ہونے چاہئیں۔ ان پر کسی اور کی حکومت نہیں ہونی چاہئے۔ یہ ظلم اس لحاظ سے اور بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے کہ پچھلی جنگ میں اہل شام نے اتحادیوں کی مدد کی اور اس غرض سے مدد کی کہ انہیں اپنے ملک میں حکومت کرنے کی آزادی دی جائے گی۔ پھر کتنا ظلم ہے کہ اب ان کو غلام بنایا جاتا ہے۔ وہ ملک جو تلوار کے ذریعے زیر نہ کئے جائیں بلکہ معاہدات کی رو سے سیاست اور علم کا چرچا نہ ہونے کے سبب جن کی تربیت کرنے کا ذمہ لیا جائے۔ کیا ان کی یہی حالت ہونی چاہئے کہ انہیں بالکل غلام بلکہ غلاموں سے بھی بدتر بنانے کی کوشش کی جائے۔ انہیں ہر طرح تکلیف دی جائے اور بجائے مدد کرنے کے ان کو نقصان پہنچایا جائے۔ پس نہ انگریزوں کا اور نہ کسی اور سلطنت کا حق ہے کہ وہ شامیوں کے ملک پر حکومت کریں اور نہ ہی فرانسیسیوں کا حق ہے کہ وہ ملک پر جبراً قبضہ رکھیں۔ شامیوں نے اتحادیوں کی مدد کی اور انہیں فتح دلائی۔ جس کا بدلہ یہ ملا کہ فرانسیسیوں نے ان کے ملک کو تباہ اور ان کے گھروں کو ویران کر دیا۔ اس سے زیادہ کیا غداری ہو سکتی ہے کہ جس نے ان کو فتح دلائی اسے ہی

غلامی کا حلقہ پہنایا جاتا ہے۔

میں چونکہ دمشق کو خود دیکھ آیا ہوں۔ اس لئے وہاں کے حالات سے واقفیت رکھتا ہوں۔ وہاں لوگوں کا آپس میں سخت تفرقہ ہے اور چھ قسم کی رائیں اس ملک میں پائی جاتی ہیں۔ بعض لوگ تو فرانس کے ماتحت رہنا چاہتے ہیں مگر یہ بہت ہی قلیل ہیں۔ بعض انگریزوں کے ماتحت رہنا چاہتے ہیں۔ ان کی تعداد پہلوں سے کچھ زیادہ ہے۔ بعض ترکوں کے ماتحت رہنا چاہتے ہیں۔ ان کی تعداد بھی بہت ہی کم ہے۔ بلکہ ان لوگوں سے بھی کم ہے جو فرانسیسیوں کے ماتحت رہنا چاہتے ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ حجاز اور فلسطین کو ملا کر ایک حکومت قائم کر لی جائے۔ مولویانہ رنگ کے لوگ اس خیال کے ہیں اور جو دوسرے ہیں وہ کہتے ہیں حجاز چونکہ بہت پس ماندہ ہے اس کے ساتھ ہم ترقی نہ کر سکیں گے۔ اس لئے شام اور عراق کی ایک حکومت بنائی جائے جو امیر فیصل کے ماتحت ہونی چاہئے۔ ان کے علاوہ ایک اور جماعت ہے جو یہ کہتی ہے کہ نہ حجاز اور فلسطین کی حکومت مفید ہو سکتی ہے اور نہ شام اور عراق کی۔ اس لئے شام اور لبنان کو ملا کر ایک حکومت قائم کرنی چاہئے۔

یہ چھ پارٹیاں ہیں جو آپس میں لڑتی رہتی ہیں۔ لیکن ملک میں سے دو فیصد بھی ایسے لوگ نہ ہوں گے جو فرانس کی تائید کرتے ہوں۔ پس گو ان میں یہ خانہ جنگی یا کشمکش نظر آتی تھی لیکن ان خیالات کے نیچے وہ ضمیر حریت بول رہی تھی جو آزادی چاہتی تھی اور جو کسی کے ماتحت نہیں رہنا چاہتی۔

یہ قدرتی بات ہے کہ ہر ایک قوم اور ہر ایک ملک چاہتا ہے کہ اس کی اپنی حکومت ہو مگر بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب وہ خود حکومت حاصل نہیں کر سکتے۔ تو کسی اور اجنبی حکومت کو چاہتے ہیں اور ایک دوسری حکومت کے لئے جدوجہد کرتے ہیں جو ان کے لئے ویسی ہی اجنبی ہوتی ہے جیسی کہ پہلی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اپنی حکومت ہی نہیں چاہتے بلکہ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ موجودہ حکومت کی بعض غلطیوں سے بیزار ہو جاتے ہیں اور ایک دوسری حکومت کی تمنا کرنے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے اس حکومت کو دیکھا نہیں ہوتا کہ وہ کیسی ہوگی وہ خیال کرتے ہیں کہ شائد نئی حکومت موجودہ حکومت سے بہتر ہو۔ اس لئے وہ اس کوشش میں لگ جاتے ہیں اور اس کی تہہ میں ان کی یہ غرض بھی ہوتی ہے کہ وہ کسی دوسری حکومت کی مدد حاصل کریں اور موجودہ حکومت کو اس کی مدد سے نکال دیں۔ یہی حال شام کا تھا۔ شامی لوگ اگر یہ کہتے تھے کہ وہ انگریزوں کی حکومت چاہتے ہیں تو وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ہم درحقیقت انگریزوں کو نہیں چاہتے بلکہ

فرانسیسیوں کو نکالنے کے لئے اس رنگ میں ان کی مدد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ہم ان کو بغیر کسی کی مدد کے نکال نہیں سکتے اور جب ان کو نکال لیں گے تو پھر دیکھا جائے گا۔

حکومت کا بھی وہاں عجیب انداز ہے۔ چار حکومتیں ایک ہی وقت میں وہاں قائم ہیں ان میں سے ایک فرانسیسی حکومت بھی ہے۔ اس کے دو ٹکڑے ہیں۔ فرانسیسیوں کی طرف سے ایک گورنر وہاں رہتا ہے۔ ایک ترک حاکم بھی اس علاقہ میں تھا۔ وہ اصلی ترک نہیں تھا بلکہ ایسا ترک تھا جو باہر سے آکر اس ملک میں بس گئے ہیں۔ یہ شخص بڑا ہی ہوشیار تھا۔ فرانسیسی حاکم جو اس ملک میں رہتا تھا۔ وہ ریذیڈنٹ کہلاتا تھا۔ جس طرح ہندوستان میں ریاستوں کے ساتھ ایک ریذیڈنٹ رہتا ہے۔ اسی طرح کا یہ بھی تھا۔ میں اس سے بھی ملا۔ دیر تک سیاسی معاملات پر گفتگو ہوئی۔

پھر مولویوں کی بھی حکومت ہے۔ پریس پر مولویوں کا قبضہ ہے۔ جو کتاب چاہیں چھاپنے دیں اور جو نہ چاہیں نہ چھپنے دیں۔ وہاں ایک مفتی بھی ہے۔ جو پریس پر بکلی اختیار رکھتا ہے۔ اور اگر وہ کسی کتاب کو روک دے تو کسی کی طاقت نہیں جو اسے شائع کر سکے۔ ہم جب دمشق میں تھے تو ہم نے ایک ٹریکٹ چھپوایا اور گورنر سے پوچھ کر چھپوایا۔ بعد میں کسی نے شکایت کی۔ یا خدا جانے کیا بات ہوئی۔ مفتی نے اس کی اشاعت روک دی۔ ہم نے ہر چند کہا کہ ہم نے گورنر کی اجازت سے چھپوایا ہے مگر ایک نہ سنی گئی اور اس کی ضبطی کا حکم دے دیا گیا۔ آخر گورنر کے پاس گئے اور کہا ہم نے آپ کی اجازت سے ٹریکٹ چھپوایا ہے لیکن مفتی اسے ضبط کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ اس نے کہا۔ مفتی کے حکم کے بعد میں کچھ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ پریس مفتی کے ماتحت ہے اور اس ملک میں قانون ہے کہ جس بات کو چاہیں مفتی چھپنے دیں اور جس کو چاہیں نہ چھپنے دیں یا روک دیں یا ضبط کر لیں۔

ان دو حکومتوں کے ساتھ ساتھ ایک اور حکومت بھی ہے جو کونسل کی حکومت ہے۔ کونسل فرانسیسیوں نے بنائی اور ایک شخص کو گورنر منتخب کیا۔ یہ گورنر لبنان کو چھوڑ کر سارے شام کا گورنر تھا۔

یہ شخص جو لبنان کے سوا سارے شام کا گورنر تھا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھا مگر افسوس کہ ایسے نامی گرامی اور بہادر شخص کی اولاد سے ہونے کے باوجود جو کہ خالص عربی نسل سے تھا۔ وہ عربی نہیں بول سکتا تھا مگر شریف آدمی تھا۔ اس کے ساتھ جب میں ملا۔ تو بہت عمدگی کے ساتھ گفتگو کرتا رہا۔ اس نے افسوس کے ساتھ کہا کہ میں باوجود عربی النسل ہونے کے عربی نہیں بول

سکتا ہاں تھوڑی تھوڑی سمجھ لیتا ہوں۔ میں ترکی بولتا ہوں۔ میرے بچے ترکی بولتے ہیں اور میری بیوی ترکی بولتی ہے۔ دیر تک اس سے گفتگو ہوتی رہی۔ پھر سلسلہ کے متعلق ذکر آیا اور جب اس نے ہماری زبان سے یہ سنا کہ اس ملک کے مولویوں نے کہا ہے کہ احمدیوں کو یہاں تبلیغ نہیں کرنی چاہئے۔ تو حیران ہو کر کہا۔ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ کس طرح وہ لوگ احمدیوں کو جو کہ اسلام کا ایک فرقہ ہے۔ یہاں تبلیغ کرنے سے روک سکتے ہیں۔ حالانکہ اس ملک میں غیر اسلامی لوگوں کے مشن قائم ہیں۔ عیسائیوں کے مشن یہاں ہیں۔ یہودیوں کے مشن یہاں ہیں۔ پھر ان کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کے ایک ایسے فرقہ کے لئے جو خالص مذہبی ہو۔ کیونکر یہ لوگ روک پیدا کر سکتے ہیں۔

غرض دیر تک اس سے مختلف امور پر گفتگو ہوتی رہی اس کی گفتگو سے یہی پایا گیا کہ وہ بھی فرانس والوں کی حکومت کے برخلاف تھا۔ اس ملک میں کسی افسر یا حاکم یا گورنر کا تقرر چونکہ ملک کے انتخاب کے ماتحت ہوتا ہے۔ اس لئے ملک کی عام رو کے مطابق اس کی رائے بھی فرانسیسیوں کے برخلاف تھی اور اس کا میلان بھی یہی تھا کہ ملک کو آزادی حاصل ہونی چاہئے۔ غرض اسی طرح ملک میں مختلف رائیں تھیں۔ اور ان میں سے بیشتر حصہ کی رائے فرانسیسیوں کے برخلاف تھی۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ملک میں تین سکے چلتے تھے۔ فرانسیسی نوٹ جو دو دو پیسے کے تھے اور ان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ ہمارے ہاں پانچ پانچ روپے تک کے نوٹ ہیں۔ جب ایک ایک روپے کے نوٹ چلے تو شور پڑ گیا اور آخر وہ بند کر دئے گئے مگر فرانس کے دو دو پیسے کے نوٹ چلتے تھے۔ فرانسیسی نوٹ کی عام طور پر کوئی قدر نہ تھی ان نوٹوں کے سوا ترکی سکہ بھی چلتا تھا اور مصری سکے بھی مروج تھے۔ ان سب میں سے مصری سکہ سب سے زیادہ چلتا تھا۔ بازار میں فرانسیسی نوٹ لے کر سودا لینے جاؤ تو دکاندار نوٹ کے عوض سودا دینے سے انکار کر دیتے اور کہتے۔ ترکی یا مصری سکہ لاؤ۔ اس پر صراف کی دوکان پر جا کر بٹہ دے کر سکہ لینا پڑتا۔ پھر اگر ڈاک خانہ میں ٹکٹ خریدنا چاہیں تو وہ نہ ترکی سکہ لیتے نہ مصری۔ کہتے نوٹ لاؤ۔ اس کے بدلے میں ٹکٹ مل سکیں گے۔ یہی حال ریلوے والوں کا تھا۔ وہ بھی کوئی سکہ نہ لیتے بلکہ فرانسیسی نوٹ لیتے۔ اگر کوئی شخص مصری یا ترکی سکہ لے کر ریلوے یا ڈاک خانہ میں جائے تو وہ اسے لوٹا دیتے۔ اس لئے پھر صرافوں کی دکانوں پر آنا پڑتا اور پھر کمیشن دے کے سکوں کے بدلے نوٹ لینے پڑتے۔ ان میں سے جتنے وہاں خرچ ہوں۔ وہ تو خیر کام آئے۔ بقیہ نوٹ سب ضائع گئے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں ہر دو تین دکانوں کے بعد صراف کی دکان نظر پڑتی ہے۔

ان باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ ملک اس بات پر آمادہ ہے کہ آزادی حاصل کرے۔ یہ فساد جو اس وقت پیدا ہوا۔ اسی روح کا نتیجہ ہے جو اس ملک میں اس وقت پیدا ہو رہی تھی۔ چنانچہ دروز نے جب مدد کے لئے مسلمانوں کو بلایا تو سارا شام اسی روح کے ماتحت ان کی مدد پر کھڑا ہو گیا۔ بے شک شام میں مختلف آراء کے رکھنے والے لوگ ہیں۔ مگر ان کی آراء کے اس اختلاف کے نیچے سوائے اس روح کے جو آزادی کی روح ہے اور کوئی روح کام نہیں کر رہی اور یہ وہی روح ہے جس نے ایک پہاڑی قوم کی آواز پر سب کو بیدار کر دیا اور وہ آزادی کے لئے جمع ہو گئے۔

خواہ ان کے متعلق کوئی کچھ ہی کہے مگر یہ بات ہر ایک شخص کو ماننی پڑے گی کہ شام کی جدوجہد آزادی درست ہے۔ فرانسیسیوں کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی یہ کوشش درست ہے۔ ہر ایک شخص کو آزاد رہنے کا حق ہے اور ہر ایک شخص کی فطرت یہ تقاضا کرتی ہے کہ وہ غیر کی غلامی میں نہ پھنسے اور اگر پھنس جائے تو نجات حاصل کرے۔ اس لئے میری رائے میں شام کو ایک حد تک آزادی ملنی چاہئے۔

پس میں جہاں اس بات پر خوشی کا اظہار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کو ظاہر فرمایا اور اپنے اس کلام کو پورا فرمایا۔ جو تقریباً ۲۵ سال آج سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔ وہاں میں اس ظلم کے لئے جو شام پر کیا گیا شام سے دلی ہمدردی رکھتا ہوں۔ شام والے مظلوم ہیں اور ان کی وفاداریوں اور جانبازیوں کا اچھا صلہ ان کو نہیں دیا گیا۔ انہوں نے اپنی جانیں دے کر اتحادیوں کو فتح دلانے کی کوشش کی مگر جب ان کی باری آئی تو بجائے حسن سلوک کے ان پر ظلم کیا گیا۔ ان کی جانیں تباہ کی گئیں۔ ان کا ملک ویران کیا گیا۔ ان کے مال برباد کئے گئے۔ پس وہ مظلوم ہیں اور میں ان مظلوموں کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہوں۔

بہر حال یہ تاریخ کا ایک نہایت تاریک واقعہ ہے۔ جس کی نظیر تاریک در تاریک زمانوں اور تاریک در تاریک حالات میں بھی ملنی مشکل ہے۔ اس واقعہ کی نوعیت پر اگر غور کیا جائے تو تھوڑی سے تھوڑی عقل رکھنے والا شخص بھی سمجھ لے گا کہ کسی تاریک واقعہ کی مثال اس واقعہ سے بڑھ کر دنیا میں نہیں مل سکتی۔ یہاں تو ستاون گھنٹہ تک گولہ باری کی گئی۔ حالانکہ گزشتہ جنگ یورپ میں جرمن کا کوئی گولہ اگر اتفاقاً کسی شہر پر آ کر گرا۔ تو ان لوگوں نے شور مچانے پر اپنی ساری طاقت صرف کر دی۔ مثلاً "ورڈن" کے حملہ کے وقت ایک گولہ اتفاقیہ طور پر شہر پر آ گرا تھا۔ اس گولے کا گرنا تھا کہ ان کے چھوٹے اور بڑے۔ بوڑھے اور جوان سب نے شور مچا دیا کہ یہ بہت بڑا ظلم ہے

مگر دمشق پر ستاون گھنٹہ گولہ باری کی گئی اور ایسے اندھا دھند طور پر کی گئی کہ کسی زبردست سے زبردست قلعے پر بھی اس قسم کی گولہ باری نہیں کی جاتی مگر باوجود اس کے ان لوگوں کو محسوس تک نہیں ہوا کہ کیا ہوا۔ اور اگر اس بات کو مد نظر رکھا جائے کہ یہ گولہ باری عورتوں' بچوں' بوڑھوں اور نہتے شہریوں پر کی گئی تو میرے خیال میں کوئی بھی ایسا شخص نہ ہوگا۔ جو فرانسیسیوں کے اس فعل کو برا نہ کہے اور اسے ظلم نہ قرار دے۔

ان حالات کے ماتحت ہر ایک شخص مانے گا کہ یہ جو کچھ ہوا۔ سخت ظلم ہوا اور یہ ان لوگوں کی خطرناک غلطی ہے مگر تعجب ہے کہ اس غلطی کے معلوم ہو جانے پر بھی یورپ سے کوئی آواز نہیں اٹھی اور مظلوموں کی ہمدردی کے لئے کوئی بھی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یورپ والے باوجود انسان ہونے کے ہمدردی پر جو مائل نہیں ہوتے۔ تو یہ کارروائی ان کی طرف سے بالارادہ ہوئی۔ میں کہتا ہوں۔ ہمدردی اگر وہ نہیں کر سکتے تھے۔ تو کیا ظالم کا ہاتھ بھی نہیں روک سکتے تھے؟ فرانس کے اس ظلم کو دیکھ کر وہ فرانس کو اس سے روک سکتے تھے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور بالکل خاموش رہے۔ ان کی یہ خاموشی ظاہر کر رہی ہے کہ یہ غلطی نہ تھی جو اتفاقیہ ہوگئی ہو بلکہ ارتکاب جرم تھا جو بالارادہ کیا گیا۔

اگر یورپ کے کسی شہر پر اس قسم کی کیا اس سے بدرجہا کم گولہ باری کی جاتی تو پھر دیکھتے۔ وہ کیا کچھ نہ کر گزرتے۔ اگر ایک شخص بھی کسی جگہ ان کا مر جاتا ہے تو کئی لاکھ فوجیں اس جگہ جا کر جمع ہو جاتی ہیں۔ مگر یہ لوگ جو مارے گئے۔ ان کے لئے ان کے اندر ایک خفیف سی ہمدردی کی حرکت بھی پیدا نہیں ہوئی۔ اس گولہ باری سے جو لوگ مرے۔ ان کی تعداد کا صحیح اندازہ اس وقت نہیں ہو سکتا۔ گو ان کی تعداد کے متعلق مختلف رنگ آمیزیوں سے کام لیا جا رہا ہے۔ مگر اس بات سے تو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ اس حادثہ سے کوئی مرا ہی نہیں۔ ان دروزیوں کو الگ کر دو۔ جن کے متعلق بغاوت کا الزام ہے مگر ان باشندوں کی ہلاکت کے متعلق فرانس کے پاس کیا جواب ہے جو ان کی بے پناہ گولہ باری سے مر گئے اور جن کا کوئی قصور بھی نہیں تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ دروز مرے ہی نہیں۔ مارے گئے شہر کے باشندے۔ مگر افسوس کہ اتنے بڑے واقعہ پر جس نے دلوں کو ہلا دیا۔ یورپ کی طرف سے کوئی بھی ہمدردی کی آواز نہیں اٹھی اور کوئی قوم اس واقعہ کی تحقیق کے لئے تیار نہیں ہوئی اور نہ اس کے ازالہ کے واسطے آمادہ؟ کس قدر افسوس ہے کہ ہزاروں آدمی بے گناہ مارے جائیں۔ لیکن سارے یورپ سے ان کی ہمدردی - ان کی مدد۔ ان کی تائید اور ان کی دل جوئی

کے لئے کوئی نہ اٹھے۔

خود فرانس میں اس واقعہ کے متعلق جوش پیدا ہو رہا ہے اور وہاں کے لوگ سمجھ رہے ہیں کہ ہم اتنا بڑا ظلم کرکے مہذب قوموں میں منہ دکھانے کے لائق نہیں رہے لیکن دوسری سلطنتوں نے اس کے متعلق بالکل خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ اس سے ایشیائی باشندوں میں جو پہلے ہی احساس ہے کہ اہل یورپ کے نزدیک ہماری جانوں کی کوئی وقعت نہیں اس میں بہت زیادہ اضافہ ہو جائے گا اور ان کا خیال یقین تک پہنچ جائے گا کہ یورپ کو ہماری جانوں کا کوئی خیال نہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ خطرہ جسے ایشیائی خطرہ کہا جاتا ہے۔ فی الواقعہ خطرناک صورت اختیار کرلے گا۔

پس ہمیں یورپین قوموں کو مشورہ دینا چاہئے کہ وہ ایسے موقع پر سوچ سمجھ کر کارروائی کریں۔ نہ کہ جوش اور غضب میں بھر کر یا اپنی طاقت کے گھمنڈ میں آکر انسانوں کی تباہی پر اتر آئیں اور خصوصاً گورنمنٹ انگلشیہ کو مشورہ دینا چاہئے کہ وہ ایسے کاموں میں دخل دے کر ان لوگوں کو جو ظلم پر کمربستہ ہوں سمجھائے اور ظلم سے روکے اور اس موقع پر بھی اسے چاہئے کہ فرانس نے جو دمشق پر تباہی برپا کی ہے اس کے متعلق اپنی ناراضگی اور ناپسندیدگی کا اظہار کرے اور مظلوموں کے ساتھ ہمدردی پر آمادہ کرے اور خود بھی مظلوموں سے ہمدردی کرے۔

اب میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہوئے اس خطبہ کو ختم کرتاہوں کہ وہ لوگوں کو اس پیشگوئی کی صداقت اور اس پیشگوئی کے کرنے والے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت ماننے کی توفیق عطا فرمائے۔ میں ان لوگوں کے لئے بھی دعا کرتا ہوں جنھوں نے قوم کی حریت اور آزادی کے لئے کوشش کی اور اس کے لئے مارے گئے۔ پھر میں ان لوگوں کے لئے بھی دعا کرتا ہوں جو زندہ ہیں اور اسی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ وہ تباہی سے بچیں اور کامیاب ہوں۔ چونکہ سب سے ہمدردی ہمارا فرض ہے۔ اس لئے میں اہل یورپ کے لئے بھی دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ان کی آنکھیں کھولے تا وہ عدل کریں اور ظلم سے بچیں اور بجائے اس کے کہ وہ آزادی اور حریت کا خون کریں۔ اس کو قائم کرنے والے بنیں۔ ایسے موقع پر میں اپنی جماعت کے لئے بھی دعا کرتا ہوں کہ خدا اس کو بھی ترقی عطا فرمائے اور جبکہ خدا تعالیٰ نے ایسا عظیم الشان نشان دکھایا ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اور بھی زیادہ لوگوں کو احمدیت کی طرف متوجہ کرنے والی۔ خدا کی رحمت کو پانے والی اور اس کے عذاب سے ڈرنے والی بنے۔ پھر اس کے عذاب سے پناہ مانگتے ہوئے اور اس

کی رحمت کو جذب کرتے ہوئے میں یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہم کو ہماری ذمہ داری سمجھنے کو توفیق عطا فرمائے۔ اپنی مخلوق کی سچی ہمدردی ہمارے دلوں میں پیدا فرمائے۔ میں یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہماری جماعت کو اپنے عذاب سے ڈرنے والا اور اپنی رحمت کے جذب کرنے والا بنائے۔ آمین ثم آمین

(الفضل ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء)

۱۔ اعمال الرسل باب ۹

۲۔ تذکرہ صہ ۱۲۶